کیا جدید سائنس وٹکنالوجی غیر اقداری [Value Nutral] ہیں

عبدالماجد دریابادیؒ سے لے کر قرضاوی تک غلط فہمی کا گردوغبار

مسلم مفکرین کی بڑی تعداد مغربی فکر و فلسفے سے عدم واقفیت کے باعث جدید سائنس وٹیکنالوجی کو آفاقی [universal] غیر اقداری [value nutral] اور فطری [Natural] سمجھتی ہے حالانکہ دنیا کا ہر علم اپنی اقدار اعتقادات مفروضات اور الٰہیات رکھتا ہے جو اس کی مابعدالطبعیات [Metaphysics] سے برآمد ہوتی ہیں مگر جدید سائنس و ٹیکنالوجی کو پانی اور ہوا کی طرح سمجھنا کہ پانی کو جس برتن میں ڈالو اس کا روپ دھار لے گا ایک سطحی، غیر علمی اور عامیانہ نقطۂ نظر ہے۔ یہ قیاس علمی تفکر و تدبر نہیں اگر جدید سائنس وٹیکنالوجی کی کوئی اخلاقیات کوئی اقدار نہیں ہیں تو اسے استعمال و اختیار کرنے والا مسلمان عیسائی یہودی ہندو یکساں طور پر دنیادار، مادہ پرست اور آخرت سے بیگانہ کیوں ہو رہا ہے؟ دنیا میں صرف مغربی اقدار ہی کیوں پنپ رہی ہیں خاص لباس، خاص خوراک، خاص طرز زندگی ہی کیوں عام ہو رہا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ٹی وی اور ذرائع ابلاغ تعلیم و شعور عام کر رہے ہیں۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ ایک خاص قسم کا شعور، خاص قسم کی تعلیم، خاص قسم کا طرز گفتگو طرز زندگی ہی کیوں عام ہو رہا ہے؟ ہر طرح کا شعور کیوں عام نہیں ہو رہا خصوصاً مذہبی شعور کیوں نایاب ہوتا جا رہا ہے؟ کیا وجہ ہے کہ دنیا میں آزادی، مادہ پرستی، لذت دنیا اور دنیا کی زندگی ہی واحد قدر ٹھہر گئی ہے۔ زندگی کا واحد مقصد لذتوں میں اضافے کے سوا کچھ اور نہیں رہا ہے [Man is a pleasure seeking animal] زندگی کا نظام صرف لذت، مزہ، لطف، چٹخارہ، شرارت و خباثت نفس، اچھل کود، دھول دھپا، ہلّہ گلّہ، چکا چوند، میلہ ٹھیلہ، موج مستی، عیش و عشرت اللّے تللّے پر کیوں منحصر رہ گیا ہے۔ تمام عقیدے نظریے، طریقے صرف جمالیات کے دائرے میں کیوں مرتکز محدود و مقید ہو رہے ہیں، چکا چوند Glamour ہی اصل دین مذہب عقیدہ کیوں بن گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ جدید سائنس وٹیکنالوجی کا کمال ہے جس نے مذہبی لوگوں کو بھی یہ باور کرا دیا ہے کہ آپ مجھے اسلام کے شیشے میں بھی ڈھال سکتے ہیں کفر کے جام سفال میں بھی رکھ سکتے ہیں۔ میں تو صرف آپ کی خادم ہوں۔

یہ وہ مغالطہ، سراب اور فریب ہے جس میں عالم اسلام کے بڑے بڑے مفکرین تک مبتلا رہے۔ چراغ علی سرسید، شبلیؒ نعمانی، عبدہؒ، رشید رضاؒ، عبیداللہ سندھیؒ، ابوالاعلی مودودیؒ، حمیدالدینؒ فراہی، عبدالماجد دریابادیؒ سے لے کر علامہ یوسف قرضاوی اور سلفیت کے علمبردار جدید رسالے ''الاحیاء'' کے علمی مفکرین بھی مبتلا ہیں۔ لیکن ان مفکرین کو [سوائے ایک مفکر کے] اس بات کی رعایت دی جاسکتی ہے کہ وہ مغربی فلسفے سے ناواقف تھے لیکن حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ تو علوم اسلامی سے بھی واقف تھے۔ اور جدید فلسفے پر بھی نظر رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ جدید سائنس سے صرف نظر کرتے ہیں [یہی حال ایران کے علماء کا ہے جو جدید فلسفے اور علوم اسلامی سے بخوبی آگاہ ہونے کے باوجود جدید سائنس وٹکنالوجی کو

غیر اقداری سمجھ کر اس کی اسلام کاری کی بھرپور وکالت کرتے ہیں]۔ ذیل میں ہم کل ہند ریڈیو سے نشر ہونے والے ایک مکالمے کو پیش کر رہے ہیں جو مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے قلم سے تحریر کیا گیا اس مکالمے میں مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے جدید سائنس کو اسلامی سند عطا فرمادی ہے۔ ''مرزا صاحب: لیکن میرے نزدیک تو کچھ زیادتی آپ کی بھی ہے شیخ صاحب، شیخ صاحب: وہ کیا۔ کُھل کر کہیے نا؟ مرزا صاحب: زیادتی یہی ہے کہ سائنس کو ایک سرے سے برا کہا جائے۔ اور مطلب تو غالبًا آپ کا بھی یہ نہیں، سائنس کو دراصل جس چیز نے اتنا بدنام کر رکھا ہے اس کا غلط اور بے جا استعمال ہے، نہ کہ سائنس بجائے خود سائنس تو بس ایک قوت ہے۔ جیسے آگ یا کسی پہلوان کا جسم۔ اب اگر پہلوان اپنی طاقت کو زور و ظلم میں صرف کرنے لگے تو یہ خطا پہلوانی کی نہیں۔ پہلوان کی ہوئی۔ آگ کو قابو میں رکھیے تو جو چاہیے خدمت لے ڈالیے۔ اور وہی آگ بے قابو ہوگئی تو خود آپ کو جلا ڈالے گی۔ یہی حال سائنس کا ہے۔ انسانیت کو اس پر حاکم رکھیے تو نعمت ہی نعمت اور جو کہیں اس کو انسانیت پر حاکم بنا دیا تو لعنت ہی لعنت۔ شیخ صاحب: اے زندہ باد کیا خوب فیصلہ کر دیا۔ میں تو خود اسی نتیجہ کی طرف لا رہا تھا۔ ہمارے ہاں کے حقیقت شناس تو صدیوں پیشتر یہی فیصلہ کر گئے ہیں ؎

علم را بر تن زنی مارے بود | علم را بر دل زنی یارے بود

علم کو کہیں آپ نے نفس کے تابع کر دیا تو سانپ اور اژدہا بن کر رہے گا۔ اور اگر عقل سلیم کے تابع رکھا تو اس سے بڑھ کر رفیق اور کون؟

آب در کشتی ہلاک کشتی ست | آب اندر زیر کشتی پُشتی ست

پانی اگر کشتی کو اُٹھائے ہوئے ہے تو رحمت ہی رحمت اور کہیں پانی کشتی کے اندر آ گیا تو ہلاکت ہی ہلاکت بس قیامت! مرزا صاحب! سبحان اللہ! ایسے عارفوں کے کلام کا کیا کہنا۔ اچھا تو اجازت ہے نا؟ میر صاحب۔ آداب عرض ہے۔ شیخ صاحب۔ خدا حافظ'' [انشائے ماجدی ص ۴۱۷۔۴۱۸] سوال یہ ہے کہ دریابادی صاحب جیسے صاحب علم، صاحب نظر تصوف و سلوک کی منزل سے گزرنے والے فرد فرید سے یہ سہوا، کیسے ہوگیا۔ دریابادیؒ کے اخلاص، علم، دین سے محبت، قلمی جہاد، میں کسے کلام ہوسکتا وہ فی الحقیقت مجاہد اسلام تھے لیکن جدید سائنس کے بارے میں ان کی خوش فہمی یا سوء فہم کی بنیادی وجہ مغرب کی تاریخ، عیسائیت کے زوال کی تاریخ، پروٹسٹنٹ کلیسا اور قومی ریاستوں کے فروغ اور قوم پرستی لبرل ازم اور کیپٹل ازم کے تاریخی تناظر سے سرسری واقفیت ہے۔ اگر قوم پرستی کیپٹل ازم پروٹسٹنٹ ازم اور جدید سائنس و جدید فلسفے کے روحانی تعلق کو اس کے حقیقی تناظر میں دیکھا جائے اور تاریخی تدریج کے ساتھ ان کے ارتقاء کا مطالعہ کیا جائے تو جدید سائنس و ٹیکنالوجی ایک خطرناک دھوکے کے سوا کچھ نہیں ہمارے مفکرین نے افسوس یہ ہے کہ مغرب کے فلاسفہ کا وہ نقد بھی نہیں پڑھا جو جدید سائنس کا مقاطعہ کرتا ہے اور کم از کم جدید سائنس کے بارے میں برہان قاطع کا درجہ رکھتا ہے یہ نقد کسی مسلمان نے نہیں لکھا بلکہ اس عہد کے بہت بڑے فلسفی ہائیڈیگر کے استاد ہزرل اور خود ہائیڈیگر نے لکھا ہے Question Concerning Technology ہائیڈیگر کی اہم ترین کتاب ہے مغرب کے کئی فلسفی جدید سائنس و ٹیکنالوجی کو غیر اقداری تسلیم نہیں کرتے، وہ اس کی آفاقیت پر غیر متزلزل ایمان سے دستبردار ہوگئے ہیں۔ وہ جدید سائنس کو ایک خاص تاریخ، خاص تہذیب، خاص زمان و مکان میں محصور مقید اور محدود سمجھتے ہیں اور اس کے مفاسد، زہرناکی اور شرانگیزی سے لرزہ بہ اندام اور اس جن کے ارض و سماء میں بے قابو رقص سے ہراساں ہیں۔ افسوس کہ ہمارے مفکرین نے جدید سائنس و ٹیکنالوجی پر مغرب کے بڑے فلاسفہ و مفکرین کے علمی نقد کو پڑھنے کی زحمت گوارا کیے بغیر سائنس کی خدائی کے آگے سربسجدہ ہونے کو ضروری سمجھا۔ جدید سائنس، فلسفہ اور جدید اسلام کے حوالے سے مشرق و مغرب میں علامہ اقبالؒ کی شخصیت کئی مغالطوں کا سبب ہے۔ اقبال کی زندگی کے دو رخ ہیں۔ ایک رخ وہ جو فلسفیانہ اور ناقدانہ دور کا احاطہ کرتا ہے جس میں اقبال نے نصوص صریحہ پر نقد سے بھی گریز نہیں کیا۔ دوسرا دور وہ ہے جو شاعر مشرق اقبال کا ہے اور یہ آخری دور ہے یہی وہ دور ہے جس میں اقبال کی شاعری مریض ہجر کی آہ، ملوک الکلام کی واہ اور دو دلوں کی چاہ سے اوپر اٹھ جاتی ہے۔ فرش پر رہ کر عرش سے کلام کرتی ہے اور اسلام کی اجتہادی اور جہادی طاقت کا ایسا اظہار اور حوالہ بن جاتی ہے کہ سلیم احمد جیسا ناقد کلام اقبال

پڑھ کر رونے لگتا ہے اس کی ہچکیاں بندھ جاتی ہیں۔ وہ اقبال کے خطبات کو رد کرنے کے بعد بھی اقبال کا اسیر ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اقبال کی شاعری تیغ قضاء، بانگ درا، اور نغمہ ہدیٰ بن کر کفر کے لیے صور اسرافیل بن جاتی ہے۔ اقبال کی شاعری زمانے کو اوج نظر دیتی ہے۔ صدف کو مزاج گہر دیتی ہے۔ مرغ بسمل کو بال و پر دیتی ہے جو دیتی ہے جسے دیتی ہے بہ اندازۂ بحر و بر دیتی ہے۔ اگر ہم فلسفی اقبال کا جائزہ لیں۔ [جبکہ اقبال آخر عمر میں اس فلسفے سے تائب ہو گئے تھے۔ اپنے غلط غیر اسلامی، مستشرقین اور مغربی فلسفیوں سے متاثر خیالات و نظریات سے رجوع کر لیا تھا جس کی شہادت امالی غلام محمد بزبان سید سلیمان ندوی ساحل، جون ۲۰۰۶ء میں موجود ہے۔ ساحل اقبال کو شاعر مشرق رسالت مآب ﷺ کا سچا امتی اور عشق رسالت میں ڈوبی ہوئی عظیم ہستی تصور کرتا ہے لیکن اقبال کادمی کا خیال ہے کہ علامہ اقبال نے آخر وقت تک اپنے گمراہ کن مذہبی خیالات سے رجوع نہیں کیا تھا] تو معلوم ہوتا ہے کہ اقبال مغربی فکر و فلسفے پر گہری نظر نہیں رکھتے تھے علوم اسلامی سے عدم واقفیت کا اعتراف تو اقبال نے اپنے کئی مکاتیب میں بار بار کیا ہے وہ ایک ایسی کشمکش میں مبتلا تھے جو تضادات اور تناقضات کی خاک سے جنم لیتی ہے جدید سائنس، جدید مغرب، مغربی تہذیب ثقافت اقدار تاریخ پر اقبال کی نظر نہایت سطحی اور عامیانہ ہے اور خطوط اقبال کے مطالعے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اقبال پر اس عہد کے مستشرقین کی تحریروں کا بے حد اثر تھا مستشرقین کے اسلام پر اعتراضات کو اقبال من و عن تسلیم کر کے اپنے الفاظ میں ڈھال کر پیش کرتے کہیں اسے استفسار، اعتراض سوال کی شکل بھی دے دیتے، اسلامی علوم میں عدم رسوخ کے باعث وہ یہ استعداد نہیں رکھتے تھے کہ مستشرقین کے غلط سلط اعتراضات کو رد کر سکیں ان کی ژولیدہ فکر کے آثار درج ذیل تحریروں میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ حافظ فضل الرحمان انصاری کو ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں: ہاں یورپ کا فلسفہ پڑھنے کے لیے آپ یورپ کا سفر کر سکتے ہیں۔ اگرچہ مسلمانوں کو موجودہ حالات میں فلسفہ اور لٹریچر کی چنداں ضرورت نہیں، اس صورت میں تھیسس کے ذریعے ڈگری حاصل کرنا فضول ہے۔ [ص ۲۹۷: اقبالنامہ] جدید فلسفے کے بارے میں جب اقبالؒ جیسے فلسفی اور مفکر کے اعراض کا یہ عالم ہے تو علماء کرام کا فلسفے کی جانب عدم التفات اسلامی معاشروں کے لیے کوئی اجنبی رویہ نہیں۔ جدید مغربی فلسفے پر اقبال جیسے مدبر گہری نظر نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے فلسفے کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا نہیں بنایا اس لیے وہ جدید فلسفے کی نزاکتوں، تاریخیت اور اس کی مابعد الطبیعیات اور اسلام کی مابعد الطبیعیات میں فرق ملحوظ نہ رکھ سکے یہ بات محض دعویٰ یا الزام نہیں حقیقت ہے۔ اس بات کو ہم دوسرے طریقے سے بھی بیان کر سکتے ہیں کہ اقبال علوم اسلامی پر سرسری عبور بھی نہیں رکھتے تھے۔ اگر وہ علوم اسلام سے واقف ہوتے تو مغربی فلسفے اور جدید سائنس کی مابعد الطبیعیات اور اسلام کی مابعد الطبیعیات میں انھیں بعد المشر قین نظر آجاتا۔ اس کم زوری کے باعث جسے اقبال اپنی ''یک چشمی'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ عالم اسلام کو خطبات جیسی کتاب کا تحفہ ملا جو فلسفے اور اسلام دونوں سے علامہ اقبال کی عدم واقفیت کا علمی شاہکار ہے۔ اس لیے یہ کتاب مغرب میں کسی ایک شخص کو مسلمان نہ کر سکی۔ اور مشرق میں یہ کتاب صرف ملحدین کے لیے تیز دھار آلہ بن گئی۔ جس سے اسلام کو بازیچۂ اطفال بنانے کا موقع جدیدیت پسندوں کو ملا۔ مغرب و اسلام سے اقبال کی ناواقفیت کا اندازہ اس بات سے لگائیے کہ وہ صاحبزادہ آفتاب احمد خان کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ ''علوم اسلامیہ پر مختلف نقطہ نظر بالخصوص جدید دنیائے اسلام میں عالمگیر روح انسانیت [Humanism] کی تخلیق بلکہ بیداری کے لحاظ سے نگاہ ڈالنی چاہیے۔ یورپ میں جذبہ انسانیت کی تحریک بڑی حد تک ان قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ ''جدید یورپین جذبہ انسانیت'' کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جا سکتا ہے۔ اس اہم حقیقت کا احساس نہ آج کل کے یورپین کو ہے اور نہ مسلمان کو............ آج کل کے مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ جو کچھ ایک بڑی حد تک خود ان کے تمدن سے برآمد ہوا ہے وہ اسے بالکل غیر اسلامی تصور کرتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلم حکیم کو یہ معلوم ہو کہ آئن اسٹائن کے نظریے سے کسی قدر ملتے جلتے خیالات پر اسلام کے سائنٹفک حلقوں میں سنجیدگی سے بحث و مباحثے ہوتے تھے تو آئن اسٹائن کا موجودہ نظریہ ان کو اتنا اجنبی معلوم نہ ہو۔ [ص ۵۲۲، اقبالنامہ، لاہور] ایک جگہ لکھتے ہیں ''دینیات کی پروفیسر

شپ پر کسی ایسے شخص کو متعین کیا جائے جس نے اسلامی دینیات اور جدید یورپین فکر و تصور کا مطالعہ کیا ہوتا کہ وہ مسلم دینیات کو افکار جدیدہ کا ہمدوش بنا سکے۔ قدیم اسلامی دینیات کے تار و پود دیکھ چکے ہیں۔ وقت آچکا ہے کہ اس کی شیرازہ بندی کی جائے۔ ترکی اس معاملے میں پیش قدمی کرے۔ یورپ نے عقل و الہام کو ہم آہنگ بنانا ہم سے سیکھا ہے وہ اپنے دینیات کو موجودہ فلسفہ کی روشنی میں از سرنو تعمیر کرنے میں ہم سے بہت آگے نکل گیا۔ [۵۶۲، اقبالنامہ نسخہ اقبال اکادمی] علماء نے فکر اسلامی کو فلسفہ عہد حاضر کی روشنی میں از سرنو ترتیب دینے کی کوشش نہیں کی لیکن یقین ہے کہ اس طرف ضرور توجہ ہوگی۔ [اقبالنامہ ۵۳۵] اقبال کے یہ دعوے محض خیالی باتیں ہیں۔ مغرب نے عقل و الہام کو کیسے ہم آہنگ کرلیا اور دینیات کو فلسفہ میں ڈھال کر کیسے آگے نکل گیا یہ سب مغرب سے مرعوبیت کے شاخسانے ہیں۔ مغرب نے تو دینیات کو اس قابل ہی نہیں سمجھا کہ اسے فلسفیانہ رنگ میں ڈھال دے۔ عبداللہ چغتائی کو لکھتے ہیں کہ یورپ کی قوموں نے ایک اعلیٰ کلچر کی بنیاد رکھی ہے مگر افسوس کہ ان کا عمل اس کلچر کے مقتضیات کے خلاف ہے اس واسطے اغلب ہے کہ یہ کلچر بے کار ہو کر یورپ میں فنا ہو جائے گا۔ [اقبالنامہ، ۶۰۲] یورپ نے کس اعلیٰ کلچر کی بنیاد رکھی۔ اقبال کا یہ دعویٰ مغرب سے ان کی ذہنی مرعوبیت و مغلوبیت کا واضح ثبوت ہے۔ پنڈت نہرو کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ ذاتی طور پر دینیات سے مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں۔ [اقبالنامہ ۵۶۸ نسخہ اکادمی] اقبال ندوہ اور دیوبند کے علماء کو علی گڑھ میں مجوزہ آنرلڈ کے کورس میں بی اے، ایم اے کی تعلیم کے دوران سائنس و فلسفہ پڑھانا چاہتے تھے لیکن امتحانات سے انگریزی کو بالکل حذف کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ انگریزی کی تعلیم محض کام چلانے کے لیے ہوگی۔ [اقبالنامہ، ۵۳۰] دیوبند لکھنو کے وہ لوگ جو خالص سائنٹفک تحقیقات کا مخصوص ذوق رکھتے ہیں ان کو جدید ریاضیات، سائنس اور فلسفہ کی مکمل تعلیم دینی چاہیے۔ [اقبالنامہ، ۵۲۶] ملت کے زاویہ نگاہ کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ فرد کی حیثیت اس کی دماغی نجات و آزادی اور طبعی علوم کی متناہی ترقی نے جدید زندگی کی اساس کو یکسر متغیر کر دیا ہے۔ اجتہادی گہرائیوں کے حصول کے لیے فکر دینی کو از سرتو تعمیر کرنا قطعاً لازمی ہے اور بہت سے مسئلوں کی طرح اس مسئلے میں بھی سرسید احمد خان کی دوررس نگاہ کم و بیش پیش گو یا نہ تھی۔ قدیم طرز پر دینیات کا شعبہ قائم کرنا بالکل بے سود ہے۔ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے۔ ضرورت ہے کہ دماغی اور ذہنی کاوش کی نئی وادی کی طرف مہمیز کیا جائے اور ایک نئی دینیات اور علم کلام کی تعمیر و تشکیل میں اس کو برسرکار لایا جائے۔ [اقبالنامہ، ۵۲۵] لیکچر کے لیے کتب دیکھتا ہوں لیکچر کیا ہیں؟ انسان کی ذہنی مایوسیوں اور ناکامیوں کا افسانہ ہے جسے عرف عام میں تاریخ فلسفہ کہتے ہیں۔ [اقبالنامہ: ۳۹۹] اس کے باوجود اقبال چاہتے ہیں کہ اسلام کو ذہنی مایوسی و ناکامی کے اس افسانے کے ہمدوش کر دیا جائے اور اسلام کی جدید تعبیر و تشریح جدید فلسفیانہ تناظر میں کی جائے۔

اسلام کا دشمن سائنس نہیں، اسلام کی پوزیشن سائنس کے خلاف نہایت مضبوط ہے۔ [اقبالنامہ ۳۸۷] مسلمانوں نے بالآخر جدید فلسفے کی بنیاد ڈالی۔ ڈیکارٹ کا طریقہ تحقیق جو جدید فلسفے کی اساس ہے غزالی کی احیاء سے بے حد مشابہہ ہے۔ قرآن الٰہیات کی کتاب نہیں...... اہل مغرب اسلامی فلسفے کی تعلیم سے ناآشنائے محض ہیں...... اے کاش مجھے اس قدر فرصت ملتی کہ میں اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب لکھ کر مغربی فلسفیوں کو اس حقیقت سے روشناس کر دیتا کہ دنیا کی مختلف قوموں کے فلسفیانہ خیالات ایک دوسرے سے کس قدر مشابہ ہیں۔ [اقبالنامہ: ۳۵۱] دینی فکر عملاً ساکن ہے ایک وقت تھا کہ یورپی فکر کو محرکات اسلامی دنیا سے ملتے تھے عصر جدید کی تاریخ کا سب سے زیادہ قابل توجہ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی دنیا انتہائی تیز رفتاری سے روحانی [فکری] طور پر مغرب کی طرح بڑھ رہی ہے اس پیش قدمی میں کوئی برائی نہیں کیونکہ فکری سطح پر یورپی ثقافت دراصل اسلامی ثقافت کے انتہائی اہم مدارج کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ [خطبات اقبال] اسلام کو جہاں ستائی اور کشور کشائی میں جو کامیابی ہوئی ہے میرے نزدیک وہ اس کے مقاصد کے حق میں بے حد مضر تھی اس طرح وہ اقتصادی اصول نشو و نما نہ پا سکے جن کا ذکر قرآن کریم اور احادیث نبوی میں جا بجا آتا ہے۔ [۳۴۸: اقبالنامہ] دوسری طرف اقبال کی شاعری انہی فتوحات کی جمالیات میں کھوئی ہوئی ہے اور اسی کشو کشائی کا نقارہ ہے۔

رینان کا یہ خیال غلط ہے کہ سائنس اسلام کا سب سے بڑا دشمن ہے۔آج ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے کہ سائنس کا محل استعمال قطعی طور پر بدل دیا جائے۔وقت کے متعلق برگساں کا عقیدہ بھی ہمارے صوفیوں کے لیے نئی چیز نہیں ......قرآن الٰہیات کی کتاب نہیں۔[ڈاکٹر نکلسن کے نام خط ص ۲۲۷ تا ۲۳۴ ۲:] عمر کتابوں کی ورق گردانی میں گزری کتاب حیلہ فروشی اور مدعا طلبی کے سوا کچھ نہیں۔[۲:۳۰۶] ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اسلام بھی زمانہ حال کی روشنی میں مطالعہ کیے جانے کا محتاج ہے۔اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف...... یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔میری غرض خدمت بنی نوع ہے۔اسلام ہی ہیومینٹیرین آئیڈیل کو Achieve کرنے کا ایک کارگر ذریعہ ہے باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں۔[۲:۴۹۵] اسلامی معاشیات کی روح یہ ہے کہ سرمائے کی بڑی مقدار میں اضافے کو ناممکن بنا دیا جائے مسولینی اور ہٹلر کا انداز فکر یہی تھا۔[مئی ۱۹۳۲ء، ریاض الحسن کے نام] علی گڑھ تحریک اسلام جدید کی ترقی میں بڑا رول ادا کرسکتی ہے۔جو آج کی دنیائے اسلام میں رونما ہورہے ہیں اور ذہانت کے ساتھ ان کو ان حالات میں مقامی رنگ دیں جن میں علی گڑھ کالج کا بانی تھا جو بنیادی طور پر سلفی مسلمان تھا مگر جس کی تحفظ پسندی کبھی اس کی روح کی آزادہ روی میں مانع نہ ہوئی۔[ص ۹۰ ۳:] باہمی مطابقت کے دور تاریخ میں عام ہیں ...... یورپ کی تاریخ ان سے بھری پڑی ہے۔اسی طرح مشرق و مغرب میں بھی مطابقت اور موافقت ناگزیر ہے۔بالشوزم میں خدا کی ہستی کا اقرار شامل کردیا جائے تو بالشوزم اسلام کے بہت ہی قریب آجاتا ہے۔[۳:۱۴۴] فلسفہ کی کوئی دلیل قطعی و آخری نہیں قرار دی جاسکتی فلسفہ محض حقائق کو تصور کرنے کی کوشش کا نام ہے۔[۳:۱۸۴] میں مغرب زدہ بھی ہوں مشرق زدہ بھی [۳۰:۲۴۵] میرے چھ خطبات غور سے پڑھیں......اس کے مطالعے کے بعد آپ خود اجتہاد کرسکیں گے ملکیت مطلقہ زمین اسلام میں نہیں مسلمانوں کی اقتصادی کم زوری سے کوئی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔[۳:۶۶۶] جمہوریت اور سوشلزم کا کوئی نہ کوئی شکل اختیار کرنا ہندوازم کے لیے موت ہے اسلام کے لیے یہی چیز حیات ثانیہ ہے۔[۳:۲۹۹] سرمایہ داری کے خلاف ایک جہاد عظیم ہورہا ہے۔[۳:۴۴۹] مذہب اسلام پر قرون اولیٰ سے ہی مجوسیت اور یہودیت غالب آگئی یعنی اسلام کے اصل افکار کو یہودی اور مجوسی افکار نے عوام کی نگاہوں سے چھپالیا۔میری ناقص رائے میں اسلام آج تک بے نقاب نہیں ہوا۔قرآن نے تقسیم جائیداد کے متعلق جو قاعدہ دیا ہے اس کا اطلاق زمین پر نہیں ہوتا یہ قاعدہ صرف جائیداد منقولہ کے لیے ہے مگر علماء کی رائے مختلف ہے اور مسلمانوں کی پریکٹس بھی مختلف ہے۔اسلام کی کامیابی کا دار و مدار اس پر ہے کہ اس کے معاشرتی نظام کی افضلیت زمانہ حال کے نظاموں پر ثابت کی جائے۔یورپ اور اسلام کی جنگ تلواروں کی نہیں بلکہ معاشرت کے نظاموں کی ہوگی۔[۳:۶۹۵] یورپ میں اسلام کا سیاسی زوال بدقسمتی سے ایسے وقت ہوا جب مسلم حکماء کو اس حقیقت کا احساس ہونے لگا تھا کہ استخراجی علوم لایعنی ہیں ......دنیائے اسلام میں تحریک ذہنی عملاً اس وقت مسدود ہوگئی اور یورپ نے مسلم حکماء کے غور و فکر کے ثمرات سے بہرہ اندوز ہونا شروع کیا۔یورپ میں جذبہ انسانیت کی تحریک بڑی حد تک ان قوتوں کا نتیجہ تھی جو اسلامی فکر سے بروئے کار آئیں یہ کہنا مطلق مبالغہ نہیں ہے کہ جدید یورپین جذبہ انسانیت کا جو ثمر جدید سائنس اور فلسفہ کی شکل میں برآمد ہوا ہے اسے کئی لحاظ سے محض اسلامی تمدن کی توسیع پذیری کہا جاسکتا ہے۔جدید منطق کا تمام نظام رازی کے ان مشہور و معروف اعتراضات سے وجود میں آیا جو انہوں نے ارسطو کے استخراجی منطق پر عائد کیے تھے۔[اقبال نامہ:۵۲۲] ہمارا پہلا مقصد جس کی بابت ہم دونوں متفق ہیں موزوں صفات کے علماء پیدا کرنا ہے جو ملت کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرسکیں۔ مگر زندگی کے متعلق ملت کے زاویہ نگاہ کے دوش بدوش ملت کی روحانی ضرورتیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔فرد کی حیثیت اس کی دماغی نجات و آزادی اور طبیعی علوم کی غیر متناہی ترقی ان چیزوں میں جو تبدیلی واقع ہوئی ہے اس نے جدید زندگی کے اساس کو یکسر متغیر کردیا ہے۔ جہاں تک روحانیت کا تعلق ہے کہا جاسکتا ہے کہ قدیم تر دینیات فرسودہ خیالات کی حامل ہے اور جہاں تک تعلیمی حیثیت کا تعلق ہے جدید مسائل کے طلوع اور قدیم مسائل کی طرح نو کے مقابلہ میں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میں ہر دو امور میں ان سے اتفاق نہیں کرسکتا۔میری رائے میں جدید اسلامی ملتوں کے لئے جدید دینیاتی افکار کی

توسیع اور ترویج ضروری ہے قدیم اور جدید اصولات تعلیم کے مابین اور روحانی آزادی اور معبدی اقتدار کے مابین دنیائے اسلام میں ایک کشاکش شروع ہوگئی ہے یہ ''روح انسانیت کی تحریک'' افغانستان جیسے ملک پر اثر ڈال رہی ہے۔آپ نے امیرِ افغانستان کی وہ تقریر پڑھی ہوگی جس میں انھوں نے علماء کے اختیارات کے حدود متعین کرنے کی کوشش کی ہے جدید دنیائے اسلام کی مختلف تحریکیں اسی نتیجہ کی طرف لے جاتی ہیں ان حالات کے ماتحت مسلم یونیورسٹی کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ دلیری سے اس وادی کی طرف قدم بڑھائیں اس میں شک نہیں محتاط رہنا لازمی ہوگا اور فکر و حکمت کی اصلاح میں اس طور پر عمل میں لانی ہوگی کہ معاشرتی امن وسکون میں خلل نہ آنے پائے۔[اقبالنامہ: صاحبزادہ آفتاب کے نام خط] افسوس ہوتا ہے کہ میں نے اپنی عمر یورپ کا فلسفہ وغیرہ پڑھنے میں گنوائی خدا تعالیٰ نے مجھ کو قوائے دماغی بہت اچھے عطا فرمائے تھے اگر یہ قویٰ دینی علوم کے پڑھنے میں صرف ہوتے تو آج خدا کے رسول کی میں کوئی خدمت کرسکتا اور جب مجھے خیال آتا ہے کہ والد مکرم مجھے دینی علوم پڑھانا چاہتے تھے مجھے اور بھی قلق ہوتا ہے کہ باوجود اس کے صحیح راہ معلوم بھی تھی تو بھی وقت کے حالات نے اس راہ پر چلنے نہ دیا۔[کریم بی بی کے نام ۱۹۱۹ء کا خط، ص ۱۵۷۔۱۵۸:۳] مجھے اعتراف ہے کہ میں شریعت کا ماہر نہیں ہوں۔[۳:۲۱۸] سود کے متعلق میں نے بحث دیکھی ہے مگر یہ مضمون سخت مشکل ہے اور اس پر لکھنے کے لیے فقہ کی کتابوں پر پورا عبور ہونا چاہیے...... کسی فرد واحد کا اجتہاد کسی مسئلے میں ناکافی سمجھا جائے گا۔[۱۰۰۸، جلد۴، ۲۵ر جولائی ۲۴ کا خط] میں ایک عرصے سے فلسفے کا مطالعہ چھوڑ بیٹھا ہوں، صرف ایک آدھ مسئلے سے دلچسپی باقی ہے، جس کا تعلق آپ کے مضمون سے نہیں۔[پیرزادہ ابراہیم حنیف کے نام یکم دسمبر ۱۹۲۳ء، ص ۴۹۸] مجھے اب اسلامی فلسفہ اور تصوف میں پہلی سی دلچسپی باقی نہیں رہی۔[۸ر مئی ۱۹۳۶ء، عمر دین کے نام ۴:۳۱۱] ایک مدت سے مطالعہ کتب ترک کرچکا ہوں، اگر کبھی کچھ پڑھتا ہوں تو صرف قرآن یا مثنوی رومی۔[۴:۹۶] کوئی یقین نہیں کرسکتا اسلام اس قدر جدید مذہب ہے...... مسلمانوں کو قرآن کی جدت کا کبھی احساس نہ ہوا بلکہ انھوں نے اس جدید کتاب کے مطالب وحقائق کو قدیم اقوام کے خیالات کی روشنی میں تفسیر کرکے اس کے اصل مطلب ومفہوم کو مسخ کردیا۔اب اقوام اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ خود اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی ضرورت ہے۔[۴:۹۸۳] لیکن دین کی اصل حقیقت ائمہ اور علماء کی کتابیں پڑھنے سے ہی کھلتی ہے۔اور آج کل زمانے کا اقتضا یہ ہے کہ علم دین حاصل کیا جائے اور اسلام کے علمی پہلو کو نہایت وضاحت سے پیش کیا جائے۔[ص ۴۷۲۔۴۷۳:۲] یہ صرف ان کی شخصیت تھی کہ جس نے ہمیں امریکی عوام اور ان کے بلند اور بے غرض کردار کی طرف متوجہ کیا...... ڈاکٹر اسٹرے ٹن کا ہی اثر ہے کہ یہاں کچھ لوگ امریکی یونیورسٹیوں میں داخلہ کا ارادہ کرنے لگے ہیں اور میں بھی ان میں سے ایک ہوں[۴:۶۸]

اسلام اور مغربی فلسفے کے بارے میں اقبال کے یہ خیالات واضح کرتے ہیں کہ وہ مغرب اور اسلام کی مابعد الطبیعیات، الٰہیات، عقیدوں، مقاصد، اہداف میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتے۔ جب کہ دونوں میں بعد المشرقین ہے اور مشرق و مغرب میں ملاپ ممکن ہی نہیں۔ دو متوازی مابعد الطبیعیاتی نظاموں کی تطبیق یا تلفیق کی غلطی یا غلط فہمی اسی شخص کو لاحق ہوسکتی ہے جو مغرب کے بنیادی فکر اور اسلام کے بنیادی مقاصد سے واقف نہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان متضاد و متصادم افکار سے واضح ہوجاتا ہے کہ اقبال اسلام اور مغرب دونوں سے نہایت سطحی واقفیت رکھتے ہیں ورنہ اس قسم کے سنہری خیالات وہ ظاہر نہ کرتے یہ کہنا کہ اسلام پر قرون اولیٰ سے مجوسیت اور یہودیت غالب آگئی نہایت گستاخانہ، احمقانہ اور غیر علمی جسارت ہے جو کسی قسم کی اساس نہیں رکھتی۔ جب اقبال کا یہ حال ہے تو علامہ یوسف قرضاوی اور جاوید غامدی بے چارے مغرب سے مرعوب نہ ہوں تو کیا کریں۔

جماعت اسلامی کو دینی حلقوں میں اس بنیاد پر امتیاز حاصل تھا کہ اس کی فکری قیادت علوم دینیہ علوم مغربیہ اور انگریزی زبان سے واقف ہے لہٰذا مغرب کا مقابلہ کرنے کی علمی فکری عملی اہلیت صرف اسی تحریک کا خاصّہ ہے لیکن جماعت اسلامی اور مولانا مودودیؒ بھی مغربی فکر و فلسفے اور جدید سائنس پر اس سطح سے حملہ آور نہ ہوسکے جس سطح سے مغرب نے دنیا پر

عموماً اور عالم اسلام پر خصوصاً یلغار کی لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مغرب کی تہذیب، تاریخ، ترقی اور فلسفے پر عالم اسلام میں سب سے پہلی اور توانا ترین آواز مولانا مودودیؒ کی تھی انھوں نے تنقیحات، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول مبادی، پردہ انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل، سود جیسی کتابیں لکھ کر مغرب کے خلاف علمی و قلمی جہاد کا آغاز کیا لیکن مغرب پر ان کی تنقید چند اصولی مباحث تک محدود رہی ان کی سیاسی حکمت عملی نے انہیں اس قلمی جہاد کو وسعت دینے کا موقع نہیں دیا۔ اگر وہ مغرب پر نقد کے لیے اپنے آپ کو وقف فرما دیتے تو امت کو فائدہ ہوتا۔ اس کے باوجود اس نقد کی اثر آفرینی نے امت مسلمہ کو مغرب کے خلاف وہ اعتماد، قوت اور توانائی مہیا کی جو آج بھی تر و تازہ ہے لیکن ابھی تک مطلوبہ علمیت و استعداد سے محروم ہے ترجمان القرآن کا ۴۴ سالہ اشاریہ'' مرتبہ حکیم نعیم الدین زبیری کے مطابق نصف صدی میں ترجمان جیسے اہم علمی پرچے میں سائنس پر صرف ۲۹ مضامین شائع ہوئے لیکن جدید سائنس اور اس کی مابعد الطبعیات پر کوئی تعارفی یا تنقیدی مضمون شائع نہ ہوا حتیٰ کہ مغرب میں جدید سائنس و ٹکنالوجی کے رد میں لکھی گئی کتابیں اور بڑے فلاسفہ مغرب کا سائنس پر نقد بھی تعارف یا تبصرے کا موضوع نہ بن سکا۔ ۴۴ برس میں مغرب پر صرف پچاس مضامین شائع ہوئے ان میں مریم جمیلہ کا صرف ایک مضمون مغربی مادیت کے ماخذ اپریل ۶۳ میں شائع ہوا جو اہم مضمون تھا چند مضامین عمدہ نوعیت کے تھے اور دیگر مضامین وقتی اور غیر اہم موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں فلسفہ پر ۴۴ برس میں صرف ۲۹ مضامین شائع ہوئے جن میں معتزلہ ارسطو، ہیگل اور مارکس کے افکار پر نقد حاوی رہا لیکن جدید مغربی فکر و فلسفہ پر کوئی نقد یا کسی بڑے فلسفی کا تعارف یا اہم مغربی فلاسفہ کی کتاب پر کوئی تبصرہ نہیں لکھا جا سکا۔

جماعت اسلامی سے وابستہ مصنفہ اور امریکی نو مسلمہ مریم جمیلہ نے معربی فکر و فلسفے تاریخ و تہذیب پر نہایت قیمتی کام کیا ہے ان کی تصانیف کی تعداد ۴۰ سے زیادہ ہے اور ہر تصنیف اپنے موضوع پر نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ مریم جمیلہ کی کسی ایک کتاب پر ترجمان القرآن میں نہ کبھی کوئی تبصرہ شائع ہوا نہ ان کی کتاب کے تراجم شائع کرنے کی زحمت گوارا کی گئی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مریم جمیلہ کے نہایت قیمتی اور نفیس کام کو سیاسی مصروفیات کے باعث غور سے نہیں پڑھا گیا۔ جماعت اسلامی نفوذ اسلام کے بجائے نفاذ اسلام میں مصروف ہوگئی۔ دعوت کے بجائے سیاست، معاشرت میں تبدیلی کے بجائے قیادت کی تبدیلی، روحانی انقلاب کے بجائے جمہوری انقلاب لوگوں کی اصلاح تعلیم و تزکیہ کے بجائے حکمرانوں کا مقاطعہ محاصرہ اور مخالفت اس کی جدوجہد کے مرکزی عنوانات بن گئے۔ فکر و نظر اور معاشرت کے سرچشموں کو بدلنے کے بجائے انقلاب امامت بذریعہ ''حبل الناس'' اس کی حکمت عملی میں اہم ترین مقام کا حامل ٹھہرا بیسویں صدی میں یہ تصور کر لیا گیا کہ قدیم بادشاہتوں کی طرح صرف ایک بادشاہ کے بدلنے سے پورا نظام بدل جائے گا جب کہ جدید مغربی فلسفہ سیاست نے ریاستی قوت و طاقت کا ایسا تانا بانا ایسا طلسماتی ڈھانچہ اور آہنی پنجرہ تیار کر دیا تھا جو قدیم بادشاہتوں سے یکسر مختلف تھا اور جس پنجرے میں داخل ہونے والا پنجرے کی زندگی کو ہی اصل حیات سمجھنے لگتا ہے اور اپنے نظریات، عقیدوں سے بھی دستبردار ہو جاتا ہے۔ اس نظام میں جسمانی بندشیں ختم ہو جاتی ہیں اور ذہن انسانی کو تسخیر کر لیا جاتا ہے۔ فوکو کی کتاب Diciplin and punish اس تانے بانے، پنجرے کی دردناک کہانی ہے۔ اگر مریم جمیلہ کا کام مولانا مودودیؒ کی نظر سے گزر جاتا تو لازماً وہ اس قیمتی کام کے فوری ترجمے اشاعت اور مطالعے کا انتظام فرماتے۔ مریم جمیلہ کی تصانیف سے اس سہو نظر کی کوئی اور توجیہہ ہمارے لیے بہت مشکل ہے مغربی فکر و فلسفے پر مریم جمیلہ کی چند معرکہ آراء کتابیں:

[۱] *Islam and modernism,* [۲] *Western Civilization Condemned by itself* [۳] *Islam and orientalism* [یہ کتاب دو جلدوں میں دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے]۔ [۴] *Islam and Western Society,* [۵] *Westren Imperialism,* [۶] *Westernization versus Muslims,* [۷] *Westernization and human walfare,* [۸] *Is Western Civilization Universal?* [۹] *Islam and Modern man.* وغیرہ ہیں یہ ایسی کتابیں ہیں جن کا مطالعہ اسلامی تحریکوں کے لیے لازمی ہونا چاہیے۔ کم

ازکم مریم جمیلہ کی کتاب ''اسلام اینڈ ماڈرن ازم'' کو دینی تحریکوں تنظیموں کے نصاب میں شامل ہونا چاہیے لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان کتابوں سے جماعت اسلامی کے علمی حلقے بھی بہت کم واقف ہیں یہ تمام کتابیں جماعت اسلامی کے حلقوں میں اجنبی ہیں دوسال پہلے قاضی حسین احمد نے آئین کے مدیر محمد الیاس صاحب کو ہدایت کی تھی کہ وہ مغرب کے بارے میں سلسلہ وار فکری مضامین شائع کریں اگر قاضی صاحب مریم جمیلہ کے کام سے واقف ہوتے تو یقیناً وہ اس کام کے ترجمے کے ذریعے ایک بڑے فکری خلاء کو پورا کر سکتے تھے۔

مریم جمیلہ کی مغربی تہذیب و تاریخ پر گہری نظر ہے اس کے باوجود اس بات پر حیرت ہے کہ وہ رینے گینوں کے روایت کے مکتب فکر سے واقف نہیں۔ ان کی کتاب ''اسلام اینڈ ماڈرن ازم میں'' اس مکتب فکر پر کوئی نقد نہیں جب کہ اس مکتب نے جدید سائنس، مادیت اور مغربی فلسفہ پر اہم علمی کام کیا ہے۔ لیکن اصلاً یہ مکتب فکر مغربی تہذیب کا خادم خصوصی اس کا دست بستہ، لب بستہ صف بستہ حلیف ہے جو وحدت ادیان کے نام پر اسلام کو الحق اور قرآن کو الکتاب تسلیم کرنے سے انکار کی مذہبی علمی فلسفیانہ بنیادیں مسلسل مغرب کو مہیا کر رہا ہے۔ مارٹن لنگز نے لاہور میں ڈاکٹر تحسین فراقی سے بالمشافہ گفتگو میں ان کے استعجاب پر دوٹوک لفظوں میں جواب دیا تھا کہ تعجب کی کیا بات ہے آپ کا خیال درست ہے ہم تمام ادیان کو برابر برحق اور درست سمجھتے ہیں۔ کفر کے اقرار کے باوجود انھیں اپنے ایمان سے انکار نہیں تھا۔ یہ عجیب مخمصہ ہے۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسلام اور مغرب کے حوالے سے جتنی بھی اہم کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں رینے گینوں کے مکتب فکر اور مریم جمیلہ کا کوئی ذکر نہیں ملتا ایسا کیوں ہے؟ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ مغربی کے فلسفے سائنس اور ٹیکنالوجی پر اقبال کے مقابلے میں رینے گینوں اور مریم جمیلہ کی نظر نہایت گہری ہے ان کے کام کا تقابل جب ''خطبات اقبال'' کے متن اور اقبال کے خطوط میں درج تفہیم مغرب کے مباحث سے کیا جائے تو اقبال ان دونوں کے سامنے محض طفل مکتب نظر آتے ہیں مریم جمیلہ اس وقت پاکستان میں موجود ہیں گزشتہ چالیس برس سے وہ شب و روز دین کی خدمت میں مصروف ہیں اور ہزاروں صفحات لکھ چکی ہیں اسلام میں عورت کی ہستی کا جو اصل تصور ہے وہ اس تصور پر سو فی صد عامل ہیں وہ جلسے جلوس کانفرنس سیمنار میں شرکت نہیں کرتیں حتی کہ وہ اپنے علمی کاموں کے لئے کتب خانے بھی نہیں جاتیں کہ وہاں مردوں سے اختلاط کی صورتیں نکل آتی ہیں اس احتیاط، تدین اور تقویٰ کے ساتھ وہ ہزاروں صفحات مغرب کے رد میں لکھ چکی ہیں جن سے عالم اسلام بے خبر ہے۔ یہ کیسا المیہ ہے کہ ایک انقلابی تحریک اپنی تحریک کے علمی کام سے ناواقف ہے اس سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ صرف جماعت اسلامی ہی نہیں دنیا کی کسی انقلابی تحریک نے مریم جمیلہ کے کام سے استفادہ نہیں کیا یہ عدم آگہی نہایت غیر ذمہ دارانہ ہے۔ مغرب سے یہ ناواقفیت اسلامی انقلابی تحریکوں کو مسلسل ناکامی سے دوچار کر رہی ہے۔ اب تو انقلاب کی رومانویت جمہوریت کے گرداب میں کھوگئی ہے اور انقلابی تحریکوں نے لکھنے پڑھنے، سوچنے، مطالعے، مباحثے کا کام تقریباً ترک کر کے صرف نعرہ بازی کو علمیت اور روحانیت کا متبادل سمجھ لیا ہے۔ اگر مغرب کو علمیت کے میدان میں شکست نہ دی گئی اور کبھی مسلمان کو عسکری غلبہ مل بھی گیا تب بھی یہ امت فلاح نہیں پا سکے گی کیونکہ غلبہ حاصل کرنے والے مغربی علمیت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے اداروں، سائنس و ٹیکنالوجی کو غیر اقداری تصور کرتے ہیں لہٰذا مغرب کی علمیت کو رد کئے بغیر پیغمبرانہ انقلاب کی امید محال ہے۔

انبیاء ہمیشہ وقت کی غالب علمیت کو الٰہی علمیت کے ذریعے دعوت مبارزت دیتے ہیں۔ اور غالب علمیت کے تار و پود بکھیر کر اس کی فکری بنیادوں کو ایمان ایقان اور اپنے عظیم کردار سے تہس نہس کر دیتے ہیں انبیاء تسخیر کائنات کے لیے نہیں بلکہ تسخیر قلوب انسانی کے لئے تشریف لاتے ہیں یہ محض اتفاق نہیں مشیت ایزدی ہے کہ بے سروسامانی ہی ہمیشہ انبیاء کا سامان رہی ہے وہ اپنے عہد کے غالب تہذیب و تمدن کے مقابلے میں بہ ظاہر نہایت کم زور، اور تنہا ہوتے ہیں ہر عہد کے انبیاء کو اس عہد کے حکمرانوں اور عہد کی سائنس و ٹیکنالوجی کا سامنا کرنا پڑتا ہے فرعون، عاد، ثمود، قوم ارم وغیرہ اس کی مثالیں ہیں لیکن انبیاء کرام اپنے عہد کی غالب ترین مادی حکومت ان کی سائنس و ٹیکنالوجی کو ایمان یقین اور معرفت رب کے ذریعے

عبرتناک شکست دیتے ہیں قرآن کے تیس سپارے اس تاریخ کے ہر ورق کی شہادت دیتے ہیں۔ یہ طریقہ سب سے ارفع اور عالی طریقہ ہے دوسرا طریقہ وہ ہے جو پہلے طریقے کے ساتھ ساتھ امت کے علماء فقہاء نے مختلف بحرانوں میں اختیار کیا لیکن انقلابی تحریکوں نے نہ تو انبیاء کا راستہ اختیار کیا نہ امام غزالیؒ کے راستے کو نشان راہ بنایا جنہوں نے نہ صرف الٰہی علمیت کی برتری ثابت کی بلکہ ساتھ ہی ساتھ یونانی علمیت کو ریزہ ریزہ کر دیا ان طریقوں سے دوری کے باعث انقلابی تحریکیں اپنی انا کے حصار میں گم ہیں یا وقت کے گرد و غبار میں اپنے تخت کو اوج ثریا پر دیکھنے کی منتظر ہیں کوئی تحریک اپنا مواخذہ کرنے ناقدانہ جائزہ لینے پر تیار نہیں اس عہد کا المیہ یہ ہے کہ عصر حاضر کی غالب علمیت یعنی مغربی فکر و فلسفہ یا جاہلیت جدیدہ کے مادی آثار و مظاہر کو امت کی انقلابی تحریکوں نے امت مسلمہ کا گمشدہ مال و متاع قرار دے کر جاہلیت جدیدہ کے تمام اداروں، اقدار، روایات اور مسلمات کی اسلام کاری شروع کر دی ہے۔ لہٰذا ایمان یقین اور مادیت تینوں سطح پر یہ تحریکیں شکست و ریخت کے عمل سے گزر رہی ہیں مگر ان تحریکوں کی ہر شکست مادیت کے طور طریقوں، مغربیت کے اسالیب اور اداروں، مغرب کے Discourse پر اس کے منہاج علم پر ان کے ایمان میں مزید اضافہ کر رہی ہے اور وہ نئے حوصلے اور لگن کے ساتھ انسانی حقوق، بنیادی حقوق، جمہوریت، سرمایہ داری، جدید سائنس کی اسلام کاری کے لیے نہایت قوت سے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ ایرانی علماء مغربی فلسفہ کو سوشلزم سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں لیکن مغربی فلسفے کا جامع علمی رد ان کی جانب سے ابھی تک سامنے نہیں آیا شہنشاہ کے خلاف تحریک کے زمانے میں ''غرب زدگی'' ایک مقبول کتاب تھی اس کے بعد کوئی اور کتاب مقبول نہ ہو سکی لیکن مغربی طرز زندگی اور مغرب کے آدرش بہر حال مقبول ہو رہے ہیں ان کی حکمت عملی بھی مغربی اداروں، جدید سائنس اور سرمایہ داری کی اسلام کاری سے ماوراء نہیں ہو سکی۔ وہ معیار زندگی بلند کرنے کے مغربی فلسفہ ویلفیئر اور پروگریس سے بلند نہ ہو سکے، فقر، کم معیار زندگی دنیا سے قلیل تمتع ان کی انقلابی جدوجہد کا حصہ نہیں بن سکا یہ صرف ایران کا مسئلہ نہیں بلکہ عالم اسلام کی تمام اسلامی انقلابی احیائی تحریکوں کا مشترکہ مسئلہ ہے کہ وہ لوگوں کی روحانی اصلاح کر کے انہیں معیار زندگی کم کرنے اور دنیا سے کم سے کم تمتع حاصل کرنے کے لیے عملی طور پر آمادہ نہ کر سکیں۔ لہٰذا ایران اور دیگر اسلامی ممالک کی ریاستی حکمت عملی اس روحانیت، علمیت سے عاری ہے اور مغربیت کی مقلد دوسرے معنوں میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عملاً تمام انقلابی تحریکوں نے مغرب کی اقدار، روایات اداروں انسانی حقوق کے فلسفے اس کی سائنس و ٹیکنالوجی معیشت اور طرز زندگی کو چند مستثنیات کے سوا ایک عالمگیر آفاقی شے تسلیم کر لیا ہے۔ اگر ہمارا یہ تجزیہ درست ہے تو پھر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے جائیں کہ امت پر اس سے برا وقت کبھی نہیں آیا۔ کاش ہمارا تجزیہ سو فی صد غلط ہو۔

مغرب کے فلسفیہ بنیادی حقوق، پروگریس، سوشل ویلفیئر، سرمایہ داری، آزادی اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی کو غیر اقداری [Value Nutral] سمجھنے، تسلیم کرنے اور اس نقطۂ نظر پر ایمان لانے کی غلطی نے امت کو ایک خطرناک بحران میں مبتلا کر دیا ہے۔ یہ بحران عالم اسلام پر تاتاریوں کے حملے سے زیادہ خطرناک بحران ہے کیونکہ تاتاریوں کے حملے کے بعد مسلمان سنبھل تو گئے تھے اس بحران میں سروں کی فصل کٹی تھی لیکن اس بحران میں ہماری روح فنا ہو رہی ہے۔ ہمارے ذہن قتل ہو رہے ہیں اور ہم فکری و نظری طور پر اپاہج ہو گئے ہیں۔ مغرب سے مرعوبیت کا یا اس کی تقلید کے ذریعے اسلام کے غلبے کی آرزو کا بحران اتنا زبردست ہے کہ بڑے بڑے راسخ العقیدہ علماء بھی اس سیلاب میں خس و خاشاک کی طرح بہہ رہے ہیں اور انسانی حقوق و سائنس و ٹیکنالوجی کے قصیدے پڑھنے میں کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے سب سے زیادہ افسوس اس بات کا ہے کہ مسلسل بحرانوں سے گزر جانے کے باوجود امت کے مفکرین اور علماء مغربی فکر و فلسفے اور سائنس و ٹیکنالوجی پر مغرب کے ان گنت فلاسفہ کے نقد کو طائرانہ طور پر بھی پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ [ان مباحث کے سلسلے میں ساحل کے شمارہ جنوری، مارچ اپریل، مئی، جولائی ۲۰۰۵ء، اکتوبر، نومبر ۲۰۰۵ء، جنوری، جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۶ء فروری، مارچ، جون ۲۰۰۷ء کو ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔]